ISSN: 2583-8784 (Online)

اردو اسٹڈیز
URDU STUDIES
Vol 3 Issue 1 October 2023

Pages 95-100
www.urdustudies.in
Included in
UGC-CARE List

Shafiq Fatima Sh'era: chañd bāteñ
Mushaf Iqbal Tausifi

گوشۂ شفیق فاطمہ شِعریٰ

شفیق فاطمہ شعریٰ: چند باتیں

مصحف اقبال توصیفی

شفیق فاطمہ شعریٰ سے مجھے مظہر مہدی نے متعارف کروایا۔ یہ ۲۰۰۷ء کے اوائل یا ۲۰۰۶ء کے اواخر کی بات ہوگی۔ مظہر مہدی کے شعریٰ کے گھرانے سے قریبی روابط تھے۔ میرا شعری مجموعہ ''دور کنارا'' شاءع ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ مظہر کا ان کے گھر کافی آنا جانا ہے تو میں نے اپنا شعری مجموعہ ان کے ذریعہ شعریٰ کو بھجوایا۔ پھر انھیں فون کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اسے پڑھ کر بتائیں کہ یہ کتاب انھیں کیسی لگی۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی جب کچھ دنوں بعد انہوں نے خود مجھے فون کیا۔ میری کئی نظموں، غزلوں کی تعریف کی اور میرے ہی کئی شعر مجھے سنائے۔ ''مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا'' پھر ایک روز مظہر مہدی میرے لیے ان کی کتاب ''سلسلۂ مکالمات'' لے آئے جو انہوں نے مجھے اپنے دستخط کے ساتھ عنایت کی تھی۔ مظہر مہدی مرحوم بہت محبتوں کے انسان تھے۔ کئی خوبیوں کے مالک، نہایت خلیق، مہربان، بہت اچھے

شاعر، وہ شعریٰ کی شاعری کے بڑے قدر دان اور ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔ مجھے سے ملتے تو اکثر شعریٰ کے کلام اور ان کے حسنِ اخلاق کی باتیں کرتے۔ دوستوں کے بارے میں بھی ان کا یہی رویہ تھا۔ شاید انہوں نے شعریٰ صاحبہ سے میرا ذکر بھی اچھے انداز میں کیا ہو گا اور یہی سبب ہو کہ شعریٰ میرے بارے میں اچھی رائے رکھتی تھیں۔ ان ہی دنوں شہریار اور مغنی تبسم صاحب نے "شعر و حکمت" میں میرا گوشہ شاءع کرنے کی بابت سوچا۔ شہریار نے سرزنش کرنے کے انداز مجھے الٹی میٹم دیا کہ جلد سے جلد اپنے بارے میں مضامین اکٹھا کروں تا کہ یہ گوشہ چھپ سکے۔ شمیم حنفی میری شاعری کے بارے میں ایک طویل مضمون لکھ چکے تھے جو میرے لیے ایک اعزاز سے کم نہ تھا۔ مغنی صاحب اور شہریار کی مسلسل یاد دہانی کے باعث اب مجھے کچھ اور ایسے لوگوں سے کہنا پڑا جنھوں میرے شعری مجموعہ "دور کنارا" کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ ان ارباب کرم میں شعریٰ کا نام بھی تھا۔ شعریٰ نے مجھ سے میرے پچھلے دو شعری مجموعے مانگے جو میں نے مظہر مہدی کی وساطت سے انھیں بھیجوا دیے۔ انہوں نے کہا کہ وہ دو ہفتوں کے اندر اپنے تاثرات ایک مضمون کی شکل میں لکھ دیں گی۔ چونکہ میں نے کسی شاعر کے مجموعہ کلام پر ان کا لکھا ہوا کوئی تبصرہ یا مضمون نہیں دیکھا تھا اس لیے ایک بے یقینی کی کیفیت میں، میں نے ان کی بات سن لی۔ اسی طرح جیسے فانی نے لکھا ہے:

وعدے کے یہ تیور ہیں کہدوں کہ یقین آیا
پر ان سے کوئی کیوں کر کہہ دے کہ نہیں آیا

پھر جب ان کا خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا مضمون "دور کنارا دور سے ایک جھلک" مجھے ملا تو میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔

شفیق فاطمہ شعریٰ سے فون پر گفتگو اور پھر کئی ملاقاتیں ممکن نہ ہوتیں اگر مظہر مہدی اور جمیلہ نشاط ہمارے مشترک دوست نہ ہوتے۔ شعریٰ کی زندگی کے آخری پانچ سات برسوں میں، مجھے انھیں قریب سے دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ لیکن ان کے نام اور کلام سے میں "صبا" اور "گجر" کے زمانے سے آشنا تھا۔ غالباً "گجر" ہی میں جو نجم الثاقب شحنہ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا میں نے سب سے پہلے ان کی کوئی نظم پڑھی تھی جو میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ مجھے اپنی اس کم مائیگی کے اعتراف

میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ آج بھی شعریٰ، راشد، میر اجی یا مختار صدیقی کی ڈھیر ساری نظمیں میری فہم سے بالاتر ہیں۔ اس کے باوجود ایسی کئی نظمیں پڑھتے ہوئے مجھے بڑا لطف آتا ہے۔ کیوں کہ میرے خیال میں کوئی نظم یا شعر اگر آپ کے لیے ایسی فضا قائم کر دے جس میں آپ سانس لے سکیں تو اور کیا چاہیے۔ جب ہمیں بہت پیاس لگی ہو تو ہم ٹھنڈا پانی پینے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے نہیں کہ اس میں کتنے پارٹ ہائیڈروجن ہے اور کتنے پارٹ آکسیجن ہے، ہمارے ذوق کی تشفی کے لیے ٹھنڈا پانی بہت ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم علم سے بے رغبتی کا تعلق رکھیں۔ شعریٰ ہوں یا میر اجی، اگر چہ کہ ان دونوں کی شاعری کے ابہام کی نوعیت میں بڑا فرق ہے لیکن ہم ان کی شاعری سے اور بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں اگر ہماری رسائی اس علم، فلسفہ یا تجربہ تک ہو سکے جس کی مٹی میں اس تخلیق کی کونپل پھوٹی ہے۔ شعریٰ خواص کی شاعرہ ہیں، عوام سے ان کی گفتگو کم کم رہی ہے۔ اس کا سبب ان کے ہاں تجربے کی پیچیدگی نہیں بلکہ ان کا اعلیٰ تاریخی، تہذیبی اور سیاسی شعور ہے۔ شاید اسی لیے کم نقادوں نے شاعری کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ حمید نسیم کے مضمون کی نوعیت استثنائی ہے جو اقبال کے بعد آنے والے شاعروں میں شعریٰ کو سب سے بڑا درجہ دیتے ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ کہ ابھی شعریٰ کے انتقال سے دس بارہ دن پہلے جب میں بمبئی میں تھا اور اتفاق سے فضیل جعفری صاحب سے فون پر بات ہوئی اور حمید نسیم کے مضمون کا ذکر آیا تو فضیل صاحب نے کہا کہ حمید نسیم نے شعریٰ کے بارے میں جو لکھا ہے وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ فضیل جعفری پر ہی موقوف نہیں میں نے جن جن مشاہیر علم وادب کی شعریٰ کے بارے میں تحریریں دیکھیں یا کہیں گفتگو میں ان کا نام لیتے ہوئے سنا، سب کو شعریٰ کے فن کا گرویدہ پایا۔ وہ پاکستان میں حمید نسیم ہوں، ضیا جالندھری، یا اسلم فرخی کہ ہندوستان میں سلیمان اریب، انور معظم، فضیل جعفری، وحید اختر، شاذ تمکنت، قاضی سلیم، محمود ایاز، خلیل مامون، شمس الرحمن فاروقی، زبیر رضوی، مضطر مجاز، سکندر احمد، مغنی تبسم، شکیل الرحمن، بشر نواز اور نہایت مختصر دورے پر یہاں آئے ہوئے شمیم حنفی جنھوں نے اپنی کئی مصروفیات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس محفل میں شریک ہونے کو ترجیح دی۔ یہ فہرست اور بھی طویل ہے۔ اسے مختصر کرنے کے لیے میں اس مصرعے کا سہارا لوں گا کہ ”ہر شخص تیرا نام لے ہر

شخص دیوانہ ترا"۔ وہ نہ جلسوں میں شریک ہوتیں نہ مشاعروں میں جاتیں، ان کی کوئی پی آر تھی، نہ خواہ مخواہ رسائل کے مدیران کی بے جا توصیف میں خطوط لکھتیں۔ ان کے طویل خطوط صرف "سوغات" میں چھپے ہیں جن کی نوعیت خالصتاً ادبی تھی۔ خواص میں ان کی یہ ہر دلعزیزی محض ان کی شاعری کے سبب تھی۔ اب ایسے لوگ کہاں ہیں۔ پہلے بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی، بہت ہی کم۔

شفیق فاطمہ شعریٰ کا تعلق ایک نہایت علمی، ادبی گھرانے سے تھا۔ ان کے والد سید شمشاد علی، تاریخ میں ایم اے تھے اور نانا اس زمانے کے میٹرک، جب میٹرک پاس لوگ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور واقعتا پڑھے لکھے ہوتے تھے آج کے اکثر اعلیٰ ڈگری یافتہ لوگوں کی طرح نہیں۔ گھر کا ماحول ایسا تھا کہ بیشتر شامیں ادبی موضوعات پر گفتگو میں گزرتیں۔ انیس، اقبال، حالی، اور پریم چند ہی نہیں، رامائن اور مہابھارت کے بارے میں بھی باتیں ہوتیں۔ نہ جانے یہ بات کیسے مشہور ہو گئی کہ ان کے شوہر ولی اللہ صاحب جو APAU میں پروفیسر تھے ان کی شاعری کے خلاف تھے۔ شعریٰ نے مجھے بتایا کہ ان کے شوہر نہایت روشن خیال تھے۔ وہ ان کی شاعری پر رشک کرتے اور اسے فخر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ البتہ شعریٰ کی سسرال کے دوسرے افراد اتنے روشن خیال نہیں تھے، اس لیے ولی اللہ صاحب نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ خط و کتابت کے لیے کالج کا پتہ دے دیں۔ انور معظم صاحب نے مجھے بتایا کہ اورنگ آباد میں وحید اختر کا گھر شعریٰ کے گھر کے بالکل سامنے تھا اور ان کا وہاں بہت آنا جانا تھا۔ وہاں قاضی سلیم، صفی الدین صدیقی، ابراہیم رنگلا، انور معظم، فضیل جعفری، بشر نواز اور دوسرے لوگ بھی اکثر آجاتے۔ ادبی بحثیں، مناظرے ہوتے اور ان کے گھر کے لوگوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ خالص ادبی موضوعات پر شعریٰ کھل کر گفتگو کرتی تھیں۔ لیکن عام نیم ادبی جلسوں، مشاعروں وغیرہ میں شرکت سے وہ کتراتی تھیں۔ ان کی خلق گریزی، خلوت نشینی اور جس تخلیقی تنہائی کی وہ ہمیشہ خواہش مند رہیں، ان عوامل نے انھیں ایسی محفلوں سے دور رکھا۔

فارسی اور عربی زبانوں پر شعریٰ کو عبور تھا اور علمِ عروض پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کا تاریخی، تہذیبی اور سیاسی شعور نہایت ارفع تھا۔ "سوغات" میں مختلف موضوعات پر ان کے طویل خطوط اور ان کی نظموں میں اس کے جو اشارے ملتے ہیں انھیں پڑھ کر اہلِ علم و دانش چونک پڑے۔

علمی، ادبی حلقوں سے انھیں روشناس کرانے میں "صبا" اور "سوغات" نے اہم رول ادا کیا ہے۔ محمود ایاز اور حمید نسیم ان کے بڑے مداح تھے۔ حمید نسیم "سوغات" کے صفحات ہی سے ان سے واقف ہوئے اور ان پر پچاس صفحے کا مضمون لکھتے ہوئے، انہوں نے شعریٰ کو اقبال کے بعد سب سے عظیم شاعرہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے یہاں تک لکھا کہ یہ شعریٰ کی شاعری "سوغات" میں ان کے خطوط اور بعد میں شعریٰ کے ساتھ شخصی خط و کتابت ہی کا فیض تھا کہ انھیں قرآن کریم کا دوسرے مذاہب سے تقابلی تفسیر کا حوصلہ ملا۔

شعریٰ کو اپنے دینی سرمائے سے جو شغف تھا اس کا اظہار بھی ان کی کئی نظموں میں ہوا ہے۔ "گلہ صفورہ"، "آفاق نوا"، "کرن کرن یادداشت" اور "سلسلہ مکالمات" کی کئی نظمیں جیسے "رابعہ تابعیہ کی یادیں میں"، "مریم صدیقہ"، "ستارہ آدرش کا" جس کا موضوع فرعون کی بیوی ہیں، یہ نظمیں پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ کس طرح انھوں نے قرآن کی پاکیزہ تعلیمات اور اسلامی تاریخ کے کئی ابواب کو ادب کا حصہ بنا دیا۔ یہی نہیں بلکہ عالمی تہذیب، سیاست اور ثقافت کے موضوعات کو انہوں نے اپنی شاعری میں اشارتاً مختصراً یا کہیں کہیں کھل کر جس طرح برتا ہے، خاص طور پر اپنے خطوط میں اس کی مثال ہمیں دوسری خواتین شعرا کے ہاں کہیں نہیں ملتی۔ میں اس باب میں مزید کچھ کہنے سے اس لیے احتراز کروں گا کہ یہاں کئی احباب ہوں گے جو مجھ سے بہتر شعریٰ کے نقدِ فن کے بارے میں اظہارِ خیال کر سکتے ہیں اور اس لیے بھی کہ میں نے شعریٰ صاحبہ سے اپنے انٹرویو میں (جو میں نے خلیل مامون صاحب کی تحریک پر لیا تھا) شعریٰ کی شاعری، ان کے تخلیقی محرکات، ہم عصر شعرا کے بارے میں ان کی رائے اور کئی ادبی، تہذیبی موضوعات پر ان سے کھل کر گفتگو کی ہے۔ یہ انٹرویو (گفتگو) جس کی اشاعت میں بوجہ بہت تاخیر ہو گئی اب کہیں جا کر خلیل مامون صاحب کے رسالے کے اولین شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں میں نے اس انٹرویو میں شامل بیشتر باتوں سے اجتناب برتا ہے، پھر بھی چند باتیں آ گئی ہیں جو ناگزیر تھیں تاکہ یہ تحریر بے ربطگی کا بوجھ نہ اٹھائے اور تشنہ نہ رہے۔ زیادہ تر اس سے ہٹ کر کچھ باتیں جو میرے ذہن میں آ سکیں وہی لکھی ہیں۔

انور معظم صاحب سے شعریٰ کے بارے میں بات ہوئی تو ہم نے سوچا کہ کیوں نہ شعریٰ کی کچھ مطبوعہ تخلیقات کچھ غیر مطبوعہ کلام (اگر حاصل ہو سکے) ان کے تحریر کردہ اور ان کے نام موصول خطوط، ان پر لکھے گئے سارے مضامین، یہ سب اگر کتابی صورت میں اکٹھا کیے جا سکیں تو یہ ایک قیمتی ادبی، دستاویزی نوعیت کی کتاب ہو سکتی ہے، میں نے شعریٰ صاحبہ سے جو انٹرویو لیا ہے اس گفتگو کے دوران بھی میں نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اب ان کے انتقال کے بعد میں نے انور معظم صاحب کے کہنے پر شعریٰ صاحبہ کی سب سے چھوٹی اور سب سے چہیتی بہن ڈاکٹر ذکیہ تک بھی یہ پیغام پہنچا دیا ہے۔

شفیق فاطمہ شعریٰ کا انتقال ۱۳ اگست ۲۰۱۲ کو ہوا اور اسی شب تدفین بھی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس مہینے میں جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ اور طاق رات۔ ویسے بھی وہ بہت نیک تھیں۔ خدا انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ہم سب کو ایک دن جانا ہے۔ خدا ہم سب کو ایسی ہی موت نصیب کرے۔ آمین!

(مصنف کی اجازت سے سب رس، اکتوبر ۲۰۱۲ء سے ماخوذ)